اردو ریسرچ جرنل "تشکیل" جلد:2، شمارہ:2 (جولائی تا دسمبر 2024ء)
ISSN (Online): 3007-3294, ISSN (Print): 3007-3286, HEC Recognized Y-Category Journal

محمد فاروق

پی ایچ ڈی اُردو اسکالر، نیشنل یونیورسٹی آف ماڈرن لینگویجز، اسلام آباد

اردو افسانے میں صنفی امتیازات: افسانوی مجموعے "آدھا انسان" کا تجزیاتی مطالعہ

Muhammad Farooq
PhD Urdu scholar, National University of Modern Languages, Islamabad

Gender Discrimination in Urdu Short Stories: An Analysis of Collection "*Adha Insan*"

ABSTRACT

Humans are inherently equal, with no innate superiority or inferiority between men and women. However, society has constructed gender discrimination based on biological differences. In Pakistani society, this discrimination has led to male dominance and the subjugation of women. Urdu fiction often reflects these gender disparities, and Rishi Khan's short story collection *Aadha Insan* holds significant relevance in this regard. These stories aim to expose the true nature of gender discrimination within Pakistani society, highlighting its presence in various aspects of life. Through themes of education, economics, violence, survival, insecurity, and sexual exploitation, the author vividly portrays the pervasive gender biases. Beyond merely depicting these injustices, the stories also serve as a catalyst for challenging male dominance and advocating for gender equality.

Keywords: *Sex, Gender, Social Role, Gender Discrimination, Inequality, Exploitation of Women, Adha Insan, Rishi Khan, Urdu Afsana, SDGs*

انسان کی جنسی و صنفی تفریق بنیادی طور حیاتیات اور سماجیات کی رو سے کی جاتی ہے۔ دونوں علوم کے تناظر میں جسمانی ساخت اور سماجی کردار کے حوالے سے انسان انفرادیت کا حامل ہوتا ہے۔ حیاتیات یعنی بائیولوجی میں نظام تولید پر بہت پیش رفت ہوئی ہے۔ لہٰذا سائنس اس نتیجے پر پہنچی ہے کہ دیگر جانداروں کی طرح انسان کی پیدائش میں بھی کروموسومز بنیادی اہمیت رکھتے ہیں۔ ان کروموسومز کو "X" اور "Y" کا نام دیا گیا ہے۔ "XY" کروموسومز کے جوڑے کا حامل پیدا ہونے والا وجود مذکر یا مرد کہلاتا ہے جب کہ اس کے برعکس "XX" کروموسومز والے وجود کو مونث یا عورت کا نام دیا جاتا ہے۔ مرد و عورت کے اجسام کی تفریق اندرونی و بیرونی اعضا کی بدولت باآسانی سمجھی جا سکتی ہے جیسا کہ اعضائے مخصوصہ، جسم و چہرے کے بال، چھاتی اور آواز کا بھاری یا باریک ہونا وغیرہ۔ حیاتیات میں اس

Article (2-2-7) Published on 31-12-2024, Pages (73-84)
Email: tashkeel@uoj.edu.pk , Website (OJS): tashkeel.uoj.edu.pk
Department of Urdu, University of Jhang, Chiniot Road, Jhang, Punjab, Pakistan.

فرق کے لیے "SEX" کی اصطلاح استعمال کی جاتی ہے جسے اردو میں "جنس" یا "صنف" کہا جاتا ہے۔ اردو لغات میں جنس اور صنف کو نوع، قسم اور تذکیر و تانیث کے معنی میں لیا گیا ہے۔ انسائیکلو پیڈیا آف سیکس اینڈ سیکشوئیلٹی کے مطابق مرد و عورت کی حیاتیاتی تفریق کچھ یوں بیان کی گئی ہے:

> "The joining of a female X chromosome with a male X chromosome will result in a female child, and the joining of a female X chromosome with a male Y chromosome will result in a male child".(1)

حیاتیاتی حوالے سے تفریق کا محور چند خواص ہیں جن کی بنیاد پر تذکیر و تانیث (مرد و عورت) کی شناخت واضح ہوتی ہے۔ یہ خواص جسمانی اعضا پر مشتمل ہوتے ہیں۔ سائنسی نقطۂ نظر سے مرد و عورت کسی بھی طرح سے ایک دوسرے سے برتر یا کم تر نہیں ہیں۔ دونوں جنسی طور پر برابر ہیں اور نسل انسانی کی بقا کے لازم و ملزوم ہیں۔ برطانوی محقق اور ماہر سماجیات Aan Okley جنس (SEX) کے بارے میں یوں لکھتی ہیں:

> "In ordinary usage the word sex has two meanings: it refers to the differences between individuals that make them male and female, and also to a type of behavior— the 'mating' behavior that begins sexual reproduction."(2)

مرد و عورت کے ساتھ تیسری جنس یا صنف جسے انگریزی میں "Transgender" کہا جاتا ہے ، اس کی شناخت کو بھی سائنسی بنیادوں پر واضح کیا گیا ہے۔ ٹرانس جنڈر کے لیے اردو میں "خواجہ سرا"، "ہیجڑا" وغیرہ جیسے الفاظ مستعمل ہیں۔ اس جنس کے حامل لوگ مرد و عورت کے خواص پر الگ الگ پورا نہیں اترتے، بلکہ ان میں مرد و عورت ہر دو جنس کی خصوصیات پائی جاتی ہیں۔ اس لیے انہیں مرد یا عورت کی بجائے ٹرانس جنڈر کہا جاتا ہے۔ حیاتیاتی رو سے ان کا وجود کروموسومز کی غلط منتقلی کی وجہ سے ہوتا ہے۔ مثال کے طور پر "XY" کی جگہ "XYY" یا "XXX" کے ملاپ سے جسم کی ساخت میں مرد و عورت دونوں کی خصوصیات پیدا ہو جاتی ہیں۔ تیسری جنس کے حوالے سے ڈاکٹر عنبرین صلاح الدین لکھتی ہیں:

> "تیسری جنس کے لوگ کروموسوم، تناسلی غدود یا۔۔۔ جیسی کچھ ایسی جنسی خصوصیات کے ساتھ پیدا ہوتے ہیں جو اقوام متحدہ کے انسانی حقوق کے ہائی کمشنر کے نزدیک مرد یا عورت

کے اجسام کے بنیادی تصور میں کہیں نہیں آتے۔ یہ تنوع شاید XY نر اور XX مادہ کے بر عکس تناسلی ابہام اور خلیاتی نسلی نمائندگی اور جنسی شکلی نوع کے ادغام سے ہوتا ہے۔" (3)

سماجیات میں انسان کا سماجی کردار بہت اہمیت رکھتا ہے۔ اس کردار کی بنیاد پر انسان کی امتیازی حیثیت کو نمایاں کرنے کے لیے "صنف" کی اصطلاح استعمال کی جاتی ہے۔ جسے انگریزی میں "Gender" کہتے ہیں۔ بعض ماہرین اس کا اردو ترجمہ "جنس" بھی کرتے ہیں۔ سماجی علوم میں صنفی کردار کی بدولت مرد کے لیے "مردانہ" جب کہ عورت کے لیے "زنانہ" اصطلاحات مستعمل ہیں۔ جنسی (حیاتیاتی) طور پر انسان ایک دوسرے سے کسی بھی طرح برتر یا بدتر نہیں جب کہ صنفی (سماجی) طور پر انسان نے ایسے کلیے اور معیار قائم کر لیے ہیں جس میں ایک صنف دوسری صنف سے برتر یا کمتر تصور کی جاتی ہے۔ صدیوں سے رائج نظریات میں مردانہ صنف کی حیثیت افضل رہی ہے لیکن باوجود اس کے کلی طور پر کوئی بھی صنف اپنی برتری برقرار رکھنے میں کامیاب نہیں ہوئی۔ زنانہ صنف بھی مختلف حوالوں سے اپنی الگ پہچان رکھتی ہے۔ دور حاضر چونکہ انفارمیشن ٹیکنالوجی کا دور ہے۔ سماجی اقدار دن بدن اپنے ماضی سے انحراف کر رہی ہیں اور حال سے مستقبل میں صنفی امتیازات کی صورتیں بدل رہی ہیں۔ صدیوں سے کار فرما تصورات کو چیلنج کیا جارہا ہے۔ لہٰذا جدید سماج کا منظر نامہ بہت سی نئی صورتوں میں دیکھا جاسکتا ہے۔

اگر تاریخی پس منظر میں دیکھا جائے تو مرد اور عورت کی صنف واضح نظر آتی ہے جبکہ دورِ حاضر میں تیسری صنف (ٹرانس جنڈر / خواجہ سرا) نے بھی الگ شناخت بنالی ہے جسے قانونی و آئینی حیثیت بھی حاصل ہو چکی ہے۔ جسمانی و سماجی ہر دو سطح پر یہ صنف عورت و مرد سے مختلف ہے؛ گو کہ تیسری صنف کی تعداد عورت و مرد سے بہت کم ہے۔ جب صنفی امتیازات کی بات ہوتی ہے تو طرزِ زندگی کے لحاظ سے ان تینوں میں فرق نظر آتا ہے اور سماج میں تینوں کی اپنی الگ پہچان ہے۔ اگرچہ یہ شناخت حاوی نہیں ہے بلکہ ایک اضدادی جوڑے کے طور پر ظاہر ہوتی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ کسی ایک صنف کی شناخت دوسرے کے بغیر ممکن نہیں لیکن تیسری صنف اضدادی جوڑے کے علاوہ اپنی ایک الگ شناخت قائم کرنے میں کامیاب ہوئی ہے۔ ان تمام شناختوں کے باوجود سماج میں ایک ایسا رویہ نظر آتا ہے جس سے ان تینوں شناختوں پر ضربِ کاری پڑتی ہے خاص طور پر اوّل اوّل عورت پر اور دوم ٹرانس جینڈر (خواجہ سرا) پر جبکہ پہلی صنف (مردانہ) حاوی رہتی ہے۔ لیکن معاصر دور میں اس حاوی صنف کے خلاف بھی آوازیں بلند ہوئی ہیں اور اس کے منصب، اختیارات اور حقوق کو چیلنج کیا گیا ہے۔ اس حوالے سے تانیثی تحریکیں منظر عام پر آئیں اور صنفی مطالعات بطور مضمون متعارف ہوئے۔

سماج میں صنف کی تشکیل کے تحت صنفی کردار کی بدولت صنفی امتیازات نے جنم لیا جس سے مرد، عورت اور ٹرانس جینڈر کی الگ الگ شناخت قائم ہوئی۔ اس حوالے سے آمنہ تحسین یوں رقم طراز ہیں:

"لڑکا اور لڑکی میں امتیاز اور ان کے لیے خاص تشکیل شدہ صنفی خصوصیات کو ان کی شخصیت کا حصہ بنانے کے لیے خاندانی و سماجی سطح پر سماجیانہ (Socialization) کا عمل نہایت اہم ہوتا ہے ۔ اس عمل کو صنف کا سماجیانہ (Socialization of Gender) کہا جاتا ہے۔ سماجیانہ کے اس عمل میں لڑکا و لڑکی کو دراصل صنفی کردار (Gender Role) کی ادائی سکھائی جاتی ہے۔اس طرح راست یا بالواسطہ طریقے سے صنف کی تشکیل (Construction of Gender) ہوتی رہتی ہے۔"[4]

صنفی امتیاز کے عام مفہوم کے مطابق، دو اصناف کے مابین جنس کی بنیاد پر فرق، تضاد یا مغائرت ہے لیکن اصطلاحی اعتبار سے اس کے معانی و مطالب میں خاصی وسعت نظر آتی ہے۔ بحیثیت انسان سب برابر ہیں لیکن سماج بالخصوص پاکستانی سماج میں عدم مساوات کا پہلو زیادہ نظر آتا ہے جس میں ایک صنف دوسری صنف پر ہمیشہ حاوی نظر آتی ہے اور دوسری صنف اس کے برعکس مجبور و مقہور ٹھہرتی ہے۔ یہ تفریق ہمیں سماج کے ذیلی اداروں میں ہر جگہ واضح اور بدرجہ اُتم نظر آتی ہے؛ حالانکہ پاکستان کی حالیہ مردم شماری کے مطابق مرد و زن کی تعداد تقریباً برابر ہے لیکن اس کے باوجود سہولیات یا حقوق کے لحاظ سے دونوں میں تضاد نظر آتا ہے۔ آئینِ پاکستان 1973ء میں بھی تمام شہریوں کے لیے برابری کی بات کی گئی ہے۔ آئینِ پاکستان کے آرٹیکل ۲۵ میں یوں درج ہے :

" شہریوں کے مابین مساوات (Equality of Citizens)

۱۔ تمام شہری قانون کی نظر میں برابر ہیں اور قانونی تحفظ کے مساوی طور پر مستحق ہیں۔

۲۔ صرف اور صرف جنس کی بنیاد پر کوئی فرق اور امتیاز نہیں رکھا جائے گا۔

۳۔اس آرٹیکل میں مندرج کوئی امر عورتوں اور بچوں کے تحفظ کے لیے مملکت کی طرف سے کوئی خاص اہتمام کرنے میں مانع نہ ہوگا۔"[5]

آئینِ پاکستان 1973 ء کے آرٹیکل ۳۴ میں تمام شعبہ ہائے زندگی میں عورتوں کی شرکت کو یقینی بنانے کے عملی اقدامات کرنے پر زور دیا گیا ہے۔[6] صنفی امتیازات کے خاتمے اور مساوات قائم کرنے کے لیے ریاستی سطح پر سیاسی جماعتیں، حکومتی ادارے، این جی اوز اور بین الاقوامی سطح پر اقوام متحدہ کا ادارہ بہت فعال نظر آتے ہیں۔ اقوام متحدہ نے دیگر ممالک کی طرح پاکستان کی ترقی و فلاح کے لیے پائدار ترقی کے اہداف (SDGs) مقرر کیے ہیں جن کا مقصد انسانیت کی بھلائی اور فلاح ہے۔ اس ضمن میں اقوام متحدہ کا ادارہ اپنے بنائے گئے ہدف نمبر ۵ "صنفی مساوات" (SDG5: Gender Equality) پر خصوصی توجہ دے رہا ہے۔ صنفی مساوات کا قیام صنفی امتیازات کو ختم کیے بغیر ممکن نہیں ہے۔ مختلف شعبہ ہائے زندگی میں صنفی امتیازات کی جانچ پڑتال کے لیے عموماً مقدمات کے

اندراج، اخبارات اور میڈیائی رپورٹس سے ڈیٹا حاصل کیا جاتا ہے۔ اس ضمن میں ادب ایک ایسا آئینہ ہے جس میں مختلف شعبہ ہائے زندگی میں صنفی امتیازات کو نہ صرف دیکھا جاسکتا ہے بلکہ ہر صنف پر اس کے اثرات کا جائزہ بھی لیا جا سکتا ہے۔ پاکستان میں مرد و زن کی تعداد کم و بیش برابر ہے لیکن سماجی مراتب میں عدم مساوات پائی جاتی ہے۔ حصول تعلیم میں عدم مساوات کے حوالے سے ڈاکٹر شاہد صدیقی اپنی رائے یوں لکھتے ہیں:

> " ہمارے تعلیمی منظر نامے کا ایک اہم پہلو وہ صنفی عدم مساوات ہے جو ہمیں زندگی کے مختلف شعبوں کی طرح تعلیم میں بھی نظر آتی ہے۔ قیام پاکستان کے وقت خواندگی کی شرح تقریباً 15 فیصد تھی جس میں لڑکیوں کی خواندگی کی شرح بہت کم تھی۔ لڑکیوں کے تعلیم کے میدان میں پیچھے رہ جانے میں سماجی، مذہبی، نفسیاتی اور سیکورٹی کی وجوہات شامل ہیں۔"(7)

پاکستانی سماج کو مد نظر رکھتے ہوئے اگر اردو ادب کی بات کی جائے تو شاعری و نثر دونوں میں صنفی امتیازات کو بہ احسن پیش کیا گیا ہے۔ بالخصوص اردو افسانے نے بیسویں صدی کے طویل سفر میں سماجی رویوں کی روایتی اور بدلتی صورتوں کو نہ صرف محفوظ کیا بلکہ سماجی توڑ پھوڑ اور عدم استحکام کی اصل تصویروں کو نمایاں کیا۔ اکیسویں صدی کے آغاز کے ساتھ ہی سماجی ڈھانچے کا نیا نقشہ سامنے آتا ہے۔ یہ صدی روایتی تصورات کے ساتھ نئے منظر نامے کو بھی پیش کرتی ہے۔ موجودہ صدی کی دوسری دہائی کے اختتام تک سماج میں ہر سہ صنف کی حیثیت، اختیارات اور مقام مرتبے کو اردو افسانے میں عمدگی سے قلم بند کیا گیا ہے۔ اس ضمن میں گزشتہ صدی کے افسانہ نگاروں کی قبیل کے ساتھ نئے افسانہ نگاروں کی جماعت نے بھی طبع آزمائی کی۔ سماجی توڑ پھوڑ، بے راہ روی، عدم مساوات اور معاشرتی عدم استحکام جیسے موضوعات افسانہ نگاروں کی نئی جماعت کا مطمح نظر رہے ہیں جس میں ہر شعبہ ہائے زندگی مثلاً تعلیم، صحت، معاش، مذہب اور خاندان میں صنفی امتیازات کو منظر عام پر لانے کی کامیاب سعی کی گئی ہے۔

اکیسویں صدی کے افسانوں کی خصوصیت یہ ہے کہ اس میں خواتین و حضرات افسانہ نگاروں نے کسی ایک صنف کی طرف داری نہیں کی بلکہ کھلے دل سے حقائق کی نشاندہی کی ہے۔ اس ضمن میں رشی خان (اصل نام رشید احمد خان) کا افسانوی مجموعہ " آدھا انسان" خاص اہمیت کا حامل ہے جس میں کل سترہ افسانے ہیں۔ یہ مجموعہ ۲۰۲۲ء میں سانجھ پبلشرز نے لاہور سے شائع کیا۔ رشی خان نے ان کہانیوں میں صنفی امتیازات کی روایتی اور روایت کو چیلنج کرتی دونوں صورتوں کو پیش کیا ہے۔ ان کہانیوں میں دانستہ و نادانستہ طور پر سماجی رویوں کی بوکھلاہٹ، صنفی تفاوت اور عدم مساوات کو اجاگر کیا گیا ہے۔ یہ کہانیاں ہمارے سماج کا آئینہ ہیں جس میں ہر صنف کی حیثیت، مقام و مرتبہ اور اختیارات کو واضح دیکھا جا سکتا ہے۔ ان افسانوں میں عورت و مرد کے روایتی تصورات کو جدید آہنگ کے ساتھ دکھایا

گیا ہے۔ سماج میں انسان کی شناخت کیا ہے ؟ قدیم اور جدید صنفی تصورات کس نوعیت کے ہیں اور صنفی امتیازات کی بدلتی صورتیں کون سی ہیں؟ مذکورہ سوالات کے حوالے سے ان افسانوں کا مطالعہ مزید دلچسپ ہو جاتا ہے۔ اسی مقصد کی خاطر افسانوی مجموعے " آدھا انسان " کا مطالعہ کیا گیا ہے۔ بنیادی طور پر یہ کہانیاں پاکستانی سماج میں عورت و مرد کی حیثیت کو نمایاں کرتی ہیں۔ ان کہانیوں کی ایک خاص بات یہ ہے کہ دورِ حاضر میں عورت و مرد کی اتھارٹی کو چیلنج ہوتا دکھایا گیا ہے جو معاصر سماج میں عملی طور پر دیکھنے کو ملتا ہے۔ یہ کہانیاں صرف کرداروں کی نمائش نہیں کرتی بلکہ زندگی کا ایسا حقیقی روپ سامنے لاتی ہیں جس میں امتیازی سلوک کے اثرات نمایاں نظر آتے ہیں۔ صنفی لحاظ سے عدم مساوات کے سبب فرد کی زندگی میں پیدا ہونے والے جذبات اور احساسات کو خوبی سے اجاگر کیا گیا ہے۔ صنفی تفریق کے حوالے سے کشور ناہید کا یہ اقتباس دیکھیے جو عورت کی سماجی حیثیت کو سامنے لاتا ہے:

> " تمام پدر سری معاشروں میں عورت سے نفرت عام بات ہے۔ وہ مرد کی جیب میں پڑا ایسا سکہ ہے جسے جب چاہا نکالا جاسکتا ہے۔ عورت جیسی بھی ہے اس کے لیے سارا الزام اس کے سر جاتا ہے"۔ (8)

افسانوی مجموعے کا پہلا افسانہ " سہاگ رات کی سفید چادر کی حقیقت " پاکستانی سماج میں پدر سری سماج اور اس سے وابستہ مردانہ حاکمیت کی سوچ کا عکاس ہے۔ ہمارے سماج میں صدیوں سے یہ تصور قائم کر دیا گیا کہ عورت کا پاکیزہ اور باکرہ ہونا ضروری ہے جب کہ مرد کے لیے یہ شرط ضروری نہیں۔ زیر نظر افسانے میں " سفید چادر " عورت کے باکرہ پن کی علامت ہے۔ بنیادی بات یہ ہے کہ کیسے معلوم ہو گا کہ عورت باکرہ ہے یا نہیں؟ اس جانچ کے لیے سماج نے جو خود ساختہ طریقے اختیار کیے ہوئے ہیں وہ عورت ذات کی نفی اور تذلیل کی واضح مثال ہیں۔ جن کا سائنس ، میڈیکل اور جدید علوم سے کوئی تعلق نہیں۔ یہ افسانہ عورت و مرد کی پاکیزگی میں امتیازی سلوک کو منظر عام پر لاتا ہے۔ حلیمہ اور ولید اس افسانے کے مرکزی کردار ہیں جو اعلیٰ تعلیم یافتہ ہیں۔ دونوں کی شادی والدین کی رضامندی سے طے پاتی ہے۔ سہاگ رات ولید بستر سے اٹھ کر کمرے سے باہر چلا جاتا ہے اور کچھ دیر بعد واپس کمرے میں آکر بیڈ کی بجائے صوفے پر سو جاتا ہے۔ صبح حلیمہ جب اٹھتی ہے تو ولید اپنے گھر والوں کے ساتھ کسی مسئلے پر الجھ رہا ہوتا ہے۔ حلیمہ جاننا چاہتی ہے کہ مسئلہ کیا ہے۔ بالا آخر اس کے اصرار پر ولید اسے شادی سے قبل دیگر مردوں کے ساتھ تعلقات رکھنے اور پاکیزہ نہ ہونے کے طعنے دیتا ہے اور فوراً طلاق دے دیتا ہے۔ افسانے کا درج ذیل اقتباس ملاحظہ ہو:

> " میں نے تو رات ہی دیکھ لیا تھا مگر میں نے مناسب سمجھا کی رات گزر جائے۔ تم جس چادر پر بیٹھی ہو یہی ثبوت ہے میرے دعوے کا۔ کیوں کہ یہ اب بھی اسی طرح سفید ہے جیسے کہ یہ

رات ہمارے بستر پر بچھائی گئی تھی۔ اس پر خون کا ایک چھوٹا سا دھبہ بھی نہیں۔ یہی ظاہر کرتا ہے کہ تم میرے ساتھ سونے سے پہلے کنواری نہیں تھی"۔ (9)

مصنف اس افسانے میں پدر سری سوچ تک محدود نہیں رہتا بلکہ اس صنفی امتیاز کے خلاف چیلنج کرتے ہوئے روایتی تصور کے خلاف نیا رخ سامنے لاتا ہے۔ حلیمہ اس واقعہ کو قدرت اور سماج کا کھیل سمجھ کر خاموش نہیں ہوتی بلکہ اپنے حق کے دفاع کے لیے کمر کس لیتی ہے۔ بلاشبہ ہمارے معاشرے میں ایسے واقعات موجود ہیں جہاں عورت کو اس لیے خاموش کرا دیا جاتا ہے کہ وہ ایک عورت ہے لیکن حلیمہ خاموشی اختیار نہیں کرتی اور پولیس کو بلا کر اپنے ساتھ ہونے والی زیادتی اور ماتھے پر لگی کالک کو صاف کرنا چاہتی ہے۔ تھانیدار بھی چونکہ اسی سماج کا حصہ ہے وہ حلیمہ کو مزید بے عزتی اور سماج میں بدنامی سے خوف زدہ کرتا ہے اور کارروائی نہ کروانے کا مشورہ دیتا ہے۔ حلیمہ کی ضد اور احتجاج کی دھمکی تھانیدار کو کارروائی کرنے پر مجبور کرتی ہے۔ دورانِ تفتیش حلیمہ اور ولید کا میڈیکل ٹیسٹ کروایا جاتا ہے تاکہ اس واقعے کے حقائق تک پہنچا جاسکے۔ حلیمہ اپنی پاکدامنی پر قائم ہوتی ہے اور میڈیکل کے لیے فوری حامی بھر لیتی ہے لیکن ولید خاندان، دوستوں اور رفیق کاروں میں بدنامی سے خوف زدہ ہوتا ہے مگر پولیس کے دباؤ پر میڈیکل ٹیسٹ کروانے پر رضامند ہو جاتا ہے۔ چند دنوں بعد میڈیکل رپورٹ آتی ہے۔ مصنف نے نہایت خوب صورتی سے سائنسی بنیادوں پر مروجہ تصور کو رد کیا ہے۔ یہ کہانی پدر سری سماج کے روایتی جبر کو علمیاتی شواہد کے ساتھ ختم کرنے میں پیش رفت ہے۔ معاصر دور میں سائنسی تجربات کی بدولت سچ اور جھوٹ میں فرق کرنا آسان ہو گیا ہے جس کا فائدہ یہ ہو رہا ہے کہ بے بنیاد الزمات کی آڑ میں مردانہ حاکمیت کی دیوار زمیں بوس ہو رہی ہے۔

"حلیمہ اور ولید کی رپورٹ

امر اُولیٰ: سہاگ رات کی مباشرت کے باوجود حلیمہ کا پردہ بکارت اپنی جگہ قائم ہے۔

دوسری بات: ایسے کوئی شواہد نہیں ملے کہ حلیمہ اس سے پہلے بھی کبھی جنسی عمل سے گزری ہو"۔ (10)

مرد و عورت کے لیے الگ الگ معیارات صنفی عدم مساوات کا موجب بنتے ہیں جس سے معاشرے میں بگاڑ جنم لیتا ہے۔ اکیسویں صدی میں جزوی طور پر امتیازی سلوک کے خلاف آواز بلند ہو رہی ہے۔ صدیوں سے قائم خاندانی، مذہبی اور علاقائی تصورات کو ختم کرنا آسان نہیں لیکن ممکن ضرور ہے۔ شہروں میں عورت اپنا مقام بنانے میں کسی حد تک کامیاب ہوئی ہے لیکن دیہی و قصباتی سطح پر ابھی قدیم سوچ اپنے عروج پر ہے۔

پاکستانی مرد اساس سماج میں لڑکی اور لڑکے کی پیدائش پر بھی صنفی امتیاز برتا جاتا ہے۔ عموماً لڑکا پیدا ہونے کی خوشی میں مٹھائیاں تقسیم کی جاتی ہیں اور جشن منائے جاتے ہیں جب کہ اس کے برعکس لڑکی کی پیدائش پر خاموشی

اختیار کر لی جاتی ہے یا پھر نام نہاد رسمی سی مسرت کا اظہار کیا جاتا ہے۔ اگر تواتر سے دو چار بیٹیاں جنم لے لیں تو گھر میں قیامت کا منظر ہوتا ہے۔ اس حوالے سے ایک افسانے سے اقتباس ملاحظہ ہو :

"بشیر بے شک اب بھی اس کے ساتھ ڈاکٹر کے پاس آتا تھا مگر یہ جاننے کے بعد کہ سدرہ ایک بیٹی کو جنم دینے والی ہے؛ اُسے آنے والے بچے کی کوئی خوشی نہ رہ گئی تھی۔"(11)

افسانہ " مرد کا پردہ بکارت " متذکرہ بالا صنفی امتیاز کی نشاندہی کرتا ہے جس میں بیٹی کی پیدائش پر باپ کا رویہ ناپسندیدہ اور ناخوش گوار نظر آتا ہے۔ ایسا رویہ ہماری سوسائٹی میں ہر دوسرے گھر کی کہانی ہے۔ علمی گھرانوں میں بھی یہ سوچ عموماً پائی جاتی ہے۔ اس ضمن میں احمد سلیم کا ایک خوب صورت شعر ملاحظہ فرمائیں:

"ہماری بیٹیوں کا ظرف دیکھ لے دنیا

ہم ان کے سامنے بیٹے خدا سے مانگتے ہیں"

رشی خان اپنے افسانوں میں صرف صنفی امتیاز کی نشاندہی نہیں کرتے بلکہ محکوم صنف کے دفاع میں آواز بلند کرتے ہیں۔ ان کے مسائل کے حل کے لیے راستے تلاش کرتے ہیں۔ انہوں نے صنفی امتیازات کی بدولت پیش آمدہ مسائل کو بہ خوبی اپنے افسانوں کا حصہ بنایا ہے۔ اُن جذبات اور احساسات کو نمایاں کیا ہے جو صنفی تفریق کی بدولت انسانی زندگی سے وابستہ ہیں۔ زندگی کی حقیقی صورت حال کو بہت عمدہ انداز میں صاف گوئی سے پیش کیا ہے۔ قاری ان افسانوں میں ڈوب کر ان جذبات اور احساسات کو محسوس کر سکتا ہے جو صنفی تفاوت سے جنم لیتے ہیں۔ صنفی امتیازات کا دائرہ گھریلو زندگی سے نکل کر ہر شعبہ ہائے حیات تک وسعت اختیار کر چکا ہے۔ اس امتیازی سلوک کے کئی محرکات ہو سکتے ہیں۔ پاکستان میں آبادی کے تناسب سے عورت و مرد تقریباً برابر ہیں لیکن بنیادی سہولیات کے لحاظ سے نمایاں فرق ہے۔ اگر تعلیم کی بات کی جائے تو شعبۂ تعلیم میں بہت زیادہ امتیازات دیکھنے کو ملتے ہیں۔ اول تو عورت کو اس حق سے دور رکھا جاتا ہے یا پھر چند جماعتوں کے بعد دیوار کھڑی کر دی جاتی ہے جسے پار کرنا اس لیے ممکن نہیں کہ وہاں پہرے دار موجود ہوتے ہیں؛ خواہ باپ کی صورت میں ہوں یا بھائی اور خاوند کی۔ اگر چند فی صد خواتین اعلیٰ تعلیم تک رسائی حاصل کر بھی لیں تو انہیں اس سطح تک پہنچنے کے لیے سماجی رکاوٹوں کا بڑا سمندر پار کرنا پڑتا ہے۔ اس ضمن میں فوزیہ رانی اپنے مقالے میں لکھتی ہیں:

"پاکستانی عورت کی سماجی صورت حال کا جائزہ لیا جائے تو یہ تلخ حقیقت سامنے آتی ہے کہ پاکستانی عورت محکوم زندگی گزارتی ہے۔ بچپن سے بڑھاپے تک معاشرے پر حاوی مرد اس کی زندگی کے تمام فیصلے کرتا ہے۔ تعلیم، شادی، نوکری، اولاد حتی کہ صحت کی سہولتوں تک

کا انتخاب اس کے لیے مرد کرتا ہے۔ پاکستانی عورت ایسی دنیا میں رہتی ہے جو اس کے لیے
مردوں نے بنائی ہے۔" (12)

مصنف نے افسانہ "ایک بے بس بیوی کا بستر: پہلا حصہ" میں تعلیمی میدان میں صنفی امتیازات کی نشاندہی کی ہے۔ یہ کہانی رشیدہ بی بی کے مرکزی کردار کے گرد گھومتی ہے رشیدہ پرائمری تک تعلیم حاصل کرتی ہے لیکن مزید تعلیم سکول قریب نہ ہونے کی وجہ سے حاصل نہیں کر پاتی۔ اس کے دو بھائی ہیں جو پڑھائی میں عدم دلچسپی کے باعث دو دو تین تین جماعتوں کے بعد تعلیمی سلسلہ ختم کر دیتے ہیں۔ رشیدہ آگے پڑھنا چاہتی ہے لیکن بحیثیت عورت امتیازی سلوک کی جڑیں اس قدر مضبوط ہیں کہ عورت ذات کے لیے مزید تعلیم جاری رکھنا دشوار ہے۔ اس افسانے میں ریاست کی طرف سے تعلیمی اداروں کی کمی کے ساتھ معاشرتی بے حسی کو بھی نمایاں کیا گیا ہے جہاں عورت کے لیے تعلیم کا حصول انتہائی مشکل ہے۔ افسانے کا یہ اقتباس دیکھیے:

"اس کے دو بڑے بھائی جو عمروں میں بھی اس سے کافی بڑے تھے، دو دو تین تین جماعتیں پڑھ کر سکول سے بھاگے ہوئے تھے۔ وہ دونوں اب باپ کے ساتھ مل کر مزدوریاں کرتے اور اس کی پڑھائی کے پہلے ہی مخالف تھے۔ انہوں نے جب سنا کہ رشیدہ مزید پڑھنے کی خواہش رکھتی ہے تو وہ ہتھے سے ہی اکھڑ گئے۔" (13)

مردانہ حاکمیت کا دور جسمانی طاقت کی بنیاد پر وجود پذیر ہوا ہو گا، عہد قدیم میں سب کام جسمانی مشقت کی بدولت ہوتے تھے۔ روزمرہ کام کی نوعیت اور شکار کرنے کے سبب مرد چونکہ جسمانی طور پر زیادہ قوی بنتا گیا لہٰذا اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ عورت جسمانی لحاظ سے اس کی محکوم ہوتی چلی گئی اور گھریلو کام کاج، بچوں کی پیدائش اور دیکھ بھال تک محدود ہو گئی۔ لیکن جدید دور ذہنی صلاحیتوں کا دور ہے۔ اب جسمانی طاقت کی جگہ مشینوں نے لے لی ہے جس کے پیچھے عورت و مرد کی ذہنی طاقت کارفرما ہوتی ہے۔ عقل و شعور میں عورت و مرد برابر ہیں بلکہ بہت سے شعبہ ہائے زندگی میں عورت صنف آہن کے طور پر کام کر رہی ہے۔ عہد قدیم کے پدرانہ تصورات آہستہ آہستہ معدوم ہو رہے ہیں۔ آج عورت میڈیکل، درس و تدریس اور دیگر شعبہ جات میں اپنی صلاحیتوں کو بروئے کار لا رہی ہے لیکن جدید زندگی میں بھی یہ سفر کٹھن اور مشکل ہے۔

افسانوی مجموعے "آدھا انسان" میں مصنف سماج کا عمیق نظری سے مشاہدہ کرتے ہوئے عدم مساوات اور صنفی امتیازات کو بہ طور خاص اپنی کہانیوں کا موضوع بناتا ہے۔ یہ کہانیاں ہمارے سماج کی نہ صرف حقیقی صورتیں ہیں بلکہ عملی مثالیں ہیں۔

"تم ایک بے کار عورت ہو" کی کہانی عورت و مرد میں ذہنی استعداد کی بنیاد پر تفریق کو نمایاں کرتی ہے۔ ہمارے سماج میں عورت کا مرد کے سامنے اپنی ذہنی صلاحیتوں کا اظہار کرنا بھی مرد کی شان کے خلاف تصور کیا جاتا ہے۔ اگر کوئی عورت ایسا کر دے تو اس کی تضحیک و تذلیل کی جاتی ہے۔ پاکستانی سماج میں عمومی رویہ ہے کہ مرد کسی عورت سے مدد طلب کرنا تو دور کسی معاملے میں مشاورت کرنا بھی گناہِ کبیرہ سمجھتا ہے اور یہ فعل اس کی سماجی عزت نفس کو مجروح کرنے کے مترادف ہے۔ فہمیدہ ریاض رقم طراز ہیں:

> "جو معاشرہ عورت کی عقل و دانش کی نفی کرتا ہے اور اسے فیصلہ سازی میں شامل نہیں کرتا۔ اسے اختیارات نہیں دیتا۔ ایسے معاشرے میں عورتوں کی حیثیت بھیڑ بکریوں اور گایوں کی ہوتی ہے جن کو انسان کچھ فائدہ اٹھانے کے لیے پالتا ضرور ہے لیکن انہیں وہ اپنے جیسانہ سمجھ سکتا ہے اور ان اسے برابری کا سلوک کر سکتا ہے۔" (14)

"تم ایک بے کار عورت ہو" میاں بیوی کی کہانی ہے۔ بیوی تعلیم یافتہ، ذہین و فطین ہے۔ وہ خاوند کے ڈوبتے کاروبار میں مشورہ اور مدد کا ارادہ رکھتی ہے لیکن خاوند اس کی پیشکش اور معاونت کو اس بنا پر قبول نہیں کرتا کہ وہ ایک عورت ہے۔ خاوند کے ایسے رویے کے باوجود وہ مدد کرنے کی کوشش کرتی ہے مگر شوہر کی مردانہ انا اس کے لیے رکاوٹ بنتی ہے۔ عموماً ہمارے سماج میں عورتوں سے اس لیے مشورہ نہیں کیا جاتا کہ مردانہ حاکمیت چیلنج نہ ہو جائے۔ جدید دور خرد مندی کا دور ہے جس میں صنفی امتیاز سے بالاتر ہو کر عقلی صلاحیتوں کو اہمیت دی جاتی ہے لیکن ہمارے سماج میں ابھی کلی طور پر عورت کی دانشمندی کو قبول نہیں کیا جاتا۔ مصنف رقم طراز ہے:

> "تم ایک بے کار عورت ہو۔ تم سے گھر اور بیٹا تو سنبھالا جاتا نہیں اور میرے کاروبار میں میری مدد کرنے کے دعوے کر رہی ہو۔ تم عورتوں کا مسئلہ ہے۔ چار جماعتیں پڑھ جاتی ہو تو خود کو ہر کام کا ماہر سمجھنا شروع کر دیتی ہو۔" (15)

رشی خان نے پاکستانی سماج کے کڑوے سچ کو اس افسانوی مجموعے میں بیان کرنے کی عمدہ کوشش کی ہے۔ ان کے افسانوی مجموعے کا عنوان "آدھا انسان" ہی اس بات کی غمازی کرتا ہے کہ انسان کی مکمل شکل مساوات کی صورت میں ہوتی ہے۔ یہ کہانیاں صرف عورت کی محکومیت کی عکاس نہیں بلکہ حاکم صنف کے خلاف بھرپور آواز ہیں اور صنفی بنیاد پر قائم کردہ عصبیتوں سے باہر نکلنے کا راستہ مہیا کرتی ہیں۔ مرد اساس معاشرے میں زندگی کی گھٹن، تلخی اور دباؤ کو مختلف زاویوں سے منظر عام پر لایا گیا ہے۔ یہ کہانیاں دبی سانسوں میں تازگی پیدا کرنے کی تمنا کا ہدف لیے ہوئے ہیں۔ پاکستانی سماج میں صنفی امتیازات کے خاتمے اور مساوی سلوک روا رکھنے میں یہ افسانے خاص اہمیت کے حامل ہیں۔ رشی خان دانستہ طور پر ان افسانوں میں عورت و مرد کے مساویانہ حیثیت کو اجاگر کرنے کی کوشش کرتے ہوئے

صنفی تفاوت میں کمی اور مساوات کی بالا دستی قائم ہونے پر زور دیتے ہیں۔ اس مجموعے میں مرد و عورت کے امتیازات کو بنیاد بنایا گیا ہے جب کہ تیسری صنف کو بالکل نظر انداز کر دیا گیا ہے۔ ہو سکتا ہے اس ضمن میں مصنف کا مشاہدہ نہ ہو۔ یہ افسانے اس لحاظ سے بھی انفرادیت کے حامل ہیں کہ عورتوں کو مردوں کے برابر بااختیار اور طاقت ور کرنے کی ترغیب دلائی گئی ہے۔ کوئی بھی معاشرہ اس وقت تک مثالی ترقی نہیں کر سکتا جب تک اس میں عملی طور پر مساوات نہ ہو۔ اگر مرد و عورت کے لیے یکساں سہولتیں ہوں گی تو ایک کامیاب معاشرے کا وجود عمل میں آئے گا۔

پاکستان کے آئین و قانون میں بھی انسانی حقوق برابری کی سطح پر دینے کا عزم کیا گیا ہے لیکن عملی طور پر ایسا نہیں ہے۔ آج بھی مرد عورت کو اپنی ملکیت تصور کرتا ہے۔ صدیوں سے قائم تصورات کو ختم کرنا یا کمزور کرنا آسان نہیں لیکن اکیسویں صدی میں یہ جمود ٹوٹنا شروع ہو چکا ہے۔ پاکستان میں مرد کے مقابلے میں عورت اور ٹرانس جنڈر کو برابری کی سطح پر بنیادی حقوق دینے کے لیے عملی اقدامات کرنے کی اشد ضرورت ہے۔ بہ حیثیت انسان سب کے لیے تعلیم، معاش، صحت اور دیگر شعبہ جات میں یکساں سہولیات اور مواقع میسر ہونے چاہییں۔ اس خلا کو پُر کرنے میں سماج اور ریاست دونوں کی مشترکہ ذمہ داری ہے کہ محکوم صنف کے ساتھ امتیازی سلوک کو ختم کیا جائے۔ معاشرے میں مساوات سے ملک و قوم کی ترقی کی راہیں ہموار ہوتی ہیں۔ اس ضمن میں عورت و مرد ادیب بلا تفریق اپنی تخلیقیت میں ان مسائل کو بہ خوبی اجاگر کر رہے ہیں۔ رشی خان کا افسانوی مجموعہ "آدھا انسان" بھی عورت کے پورے وجود کی تلاش میں سرگرداں نظر آتا ہے۔ یہ تلاش حق بجانب ہے اور یہی درست سمت ہے۔

حواشی و حوالہ جات

1. A–Heather L. Armstrong, Editor, Encyclopedia of Sex and Sexuality: Understanding Biology, Psychology, and Culture, VOLUME 1, California: Green Wood, 2021, P608

2. Aan Oakley, Sex, gender and Society, England: Gower Publishing Company, 1985, P18

3۔ عنبرین صلاح الدین، فرہنگ صنفی مطالعات، لاہور: اردو سائنس بورڈ، 2018ء، ص 65

4۔ آمنہ تحسین، سماج اور صنفی تصورات، دہلی: ایجوکیشنل پبلشنگ ہاؤس، 2019ء، ص 10

5۔ آئین پاکستان 1973ء، لاہور: ندیم بک ہاؤس، س ن، ص 40

6۔ آئین پاکستان 1973ء، ص 47

7۔ شاہد صدیقی، پاکستان، تعلیم اور اکیسویں صدی، جہلم: بک کارنر، 2023ء، ص 90

8۔ کشور ناہید، مرتب، عورت زبان خلق سے زبان حال تک، لاہور: سنگ میل پبلی کیشنز، 2000ء، ص 29

9۔ رشی خان، آدھا انسان، لاہور: سانجھ پبلی کیشنز، 2022ء، ص22
10۔ رشی خان، آدھا انسان، ص26
11۔ ایضاً، ص69
12۔ فوزیہ رانی، پاکستانی خواتین کے افسانوں میں نسوانی کردار، لاہور: فکشن ہاؤس، 2020ء، ص41
13۔ رشی خان، آدھا انسان، ص94
14۔ فہمیدہ ریاض، "فیمنزم اور ہم"، مشمولہ: فیمنزم اور ہم، مرتبہ: فاطمہ حسن، کراچی: وعدہ کتاب گھر، 2005ء، ص32
15۔ رشی خان، آدھا انسان، ص159

References in Roman Script:

1. A–Heather L. Armstrong, Editor, Encyclopedia of Sex and Sexuality: Understanding Biology, Psychology, and Culture, VOLUME 1, California: Green Wood, 2021, P608
2. Aan Oakley, Sex, gender and Society, England: Gower Publishing Company, 1985, P18
3. Anbareen Salahuddin, Farhang-i Sinfi Mutala'at, Lahore: Urdu Science Board, 2018, P65
4. Amna Tehseen, Simaj aur Sinfi Tasawurat, Delhi: Educational Publishing House, 2019, P10
5. Aaeen-i Pakistan 1973, Lahore: Nadeem Book House, P40.
6. Aaeen-i Pakistan 1973, P47
7. Shahid Siddiqui, Pakistan, Ta'leem aur Ikeesvee'n Sadi, Jehlum: Book Corner, 2023, P90
8. Kishwar Naheed, Murattib, Aurat: Zaban-i Khalq say Zaban-i Haal Tak, Lahore: Sang-i Meel Publications, 2000, P29
9. Rashi Khan, Adha Insan, Lahore: Sanjh Publications, 2022, P22
10. Rashi Khan, Adha Insan, P26
11. As Above, P69
12. Fauzia Rani, Pakistani Khawateen k Afsaano'n mein Niswani Kirdar, Lahore: Fiction House, 2020, P41
13. Rashi Khan, Adha Insan, P94
14. Fehmeeda Riaz, "Feminism aur Ham", Mashmoola: Feminism aur Ham, Murattiba Fatima Hassan, Karachi: Wa'da Kitab Ghar, 2005, P32
15. Rashi Khan, Adha Insan, P159